شہیدِ ہند

(از جناب فاضل ابو یحییٰ امام خانصاحب نوشہروی)

رسالہ محدث (بابت ماہ مئی ۱۹۳۹ء) میں بعنوان "شہیدِ ہند" جو سطور شائع ہوئی ہیں ان میں ہندوستان کی اسلامی حالت عہد اکبری سے (اور وہ بھی بطور اجمال) دکھائی گئی ہے مگر اب اس نکبت کی کہانی (ہندوستان میں) آغاز اسلام سے دہرائی جاتی ہے۔ گویا ؎

مجھے منظور ہے پھر امتحاں برقِ تجلّی کا ⁂ جگر کو آشنائے سوزِ پنہاں کر رہا ہوں میں

ہرچند یہ تشبیب بھی ناقص ہے مگر اس سے ایک موہوم سا خاکہ ذہن میں قائم ہونے کی امید ہے۔ کاش فرصت ملے! کتابیں دستیاب ہو سکیں! تو اس اجمال کی تفصیل کی جا سکے! تو ——————؟

فاتحانہ سلسلہ میں ہندوستان میں اسلام کی آمد جناب روحی فداہ محمد بن قاسم ثقفی سے ہوئی۔ بیشک وہ فتح ہی کی غرض سے حملہ آور ہوئے مگر اس حملہ کے محرکات خود ہندوستان کے ہندی حکمراں راجہ داہر کے ظلم و سرکشی کا نتیجہ تھا کیونکہ اسی زمانہ میں:— سراندیپ کے راجہ نے چند جہازوں میں قیمتی تحفے اور ان مسلمانوں کے یتیم بچوں اور بیوہ عورتوں کو جو اس جزیرہ میں گذر گئے تھے حجاج (بن یوسف) کے پاس روانہ کیا۔ راستہ میں مقام دیبل میں سندھ کے راجہ داہر کے سپاہیوں نے ان جہازوں کو لوٹ لیا اور مسلمان بچوں اور بیوہ عورتوں کو گرفتار کر لیا۔ حجاج نے جب یہ واقعہ سنا۔ تو راجہ داہر کو لکھا کہ ہمارے آدمیوں کو جو تمہارے سپاہیوں نے لوٹ لئے ہیں ہمارے پاس بھیجدو۔ راجہ داہر نے جواب دیا کہ جن لوگوں نے لوٹا ہے ان سے تم خود آ کر چھڑا لو حجاج نے دربارِ خلافت کی منظوری سے عبداللہ اسلمی کو ۶ ہزار فوج کے ساتھ روانہ کیا راجہ داہر کی فوج نے اس کا مقابلہ کیا اور شکست دیدی۔ عبداللہ مقتول ہوا۔ حجاج نے پھر ۶ ہزار فوج روانہ کی۔ اس نے بھی شکست کھائی۔ اس کے بعد اس نے اپنے بھتیجے **محمد بن قاسم** کو جو ۱۷ سالہ نوجوان تھا چھ ہزار شامی فوج کے ساتھ سندھ کی مہم پر بھیجا۔ پہلے اس نے صوبہ مکران پر جو مسلمانوں کا تھا اور جس پر داہر کی فوجیں قابض ہو گئیں تھیں قبضہ کیا اس کے بعد سندھ کی طرف آیا۔ حجاج نے ایسا بندوبست کیا تھا کہ ہر تیسرے دن دونوں طرف کے خطوط ایک دوسرے کے پاس پہنچتے تھے۔

محمد نے دیبل کا محاصرہ کیا۔ دشمن اثنائے محاصرہ میں ایک بار نکل کر صف آرا ہوا محمد نے شکست دی اور قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ ایک مسجد تعمیر کرائی۔ اور چار ہزار سپاہی طلب کر کے وہاں متعین کئے پھر آگے بڑھا۔ بیرون کے باشندوں نے مصالحت کر لی۔ دریائے سندھ کے قریب جس وقت پہنچا تو سر بیدس کے رؤسا نے آ کر صلح کر لی۔ اور خراج دینا منظور کیا۔ وہاں سے سہوں کی طرف پیش قدمی کی اور اس کو فتح کیا۔ اب راجہ داہر فوجیں تیار کر کے۔ خود مقابلہ میں آیا۔ سخت جنگ ہوئی۔ ہاتھیوں کی وجہ سے تازی گھوڑے قابو سے باہر ہو گئے۔ مسلمانوں نے پیدل جنگ کی۔ شام کے وقت داہر مارا گیا۔ اور اس کی فوج شکست کھا کر بھاگی اور برہمنا آباد میں جا کر مجتمع ہوئی۔ محمد (بن قاسم) بھی اسی طرف بڑھا۔ پہلے راور پر لڑائی ہوئی۔ اس کو فتح کر کے برہمنا آباد پہنچا

غنیم کو شکست دی۔ اور اپنا عامل مقرر کرکے ساوندری کا محاصرہ کیا۔ وہاں کے باشندوں نے امان مانگ لی۔ پھر بسمہ اور رور کے رئیسوں نے صلح نامے بھیجے۔ محمد بن قاسم نے رور میں بھی ایک مسجد بنوائی۔ پھر دریا کو عبور کرکے ملتان کا محاصرہ کیا۔ اس کی فتح میں بہت مال غنیمت ہاتھ آیا۔ ملتان سے مختلف سمتوں میں فوج کے دستے بھیجے اور بہت تھوڑے عرصہ میں سارا سندھ فتح کر لیا[۱]"۔ آپ نے اسلام کی خون آشامی کو ملاحظہ فرمالیا۔ کہ راجہ داہر سے ان کی راہزنی کی تلافی کی استدعا کی گئی مگر راجہ کے غرور و نخوت نے جواب دیا کہ:۔ "کہ جن لوگوں نے لوٹا ہے ان سے تم خود آکر چھڑا لو"

اس قسم کی مثال سمجھنے کیلئے کانگریس کی ۱۹۳۰ء کی تحریک نمک سازی پیش کی جاسکتی ہے۔ گاندھی جی نے فرمایا ہندوستانی نمک کھاتے ہیں۔ نمک زمین سے پیدا ہوتا ہے۔ زمین ہندوستان کی ہے۔ زمین سے نمک حاصل کرنے کا حق ہر ایک ہندوستانی کو حاصل ہے۔ گورنمنٹ وقت نے تنبیہ کی۔ قانون سے ڈرایا کہ بغیر لائیسنس کے نمک حاصل کرنا جرم ہے۔ گاندھی نے سول نافرمانی جاری کردی۔ کانگریسی حضرات نے گاندھی کا اقتدا کیا۔ ہر جگہ نمک بننے لگا۔ تمام ملک نے "مہاتما گاندھی کی جے" پکاری۔ حکومت کو ظالم و بے انصاف بتایا۔ گاندھی اور ان کے مرید قید بند میں جکڑ دیے گئے۔

اسی طرح کی مثال ملک میں کانگریس کے دوسرے معاملات کی ہے جہاں کسی ہندوستانی کی حق تلفی دیکھی۔ ستیا آگرہ شروع کردی۔ میں کہتا ہوں کہ کانگریس تو انگریز کا فوجی مقابلہ بھی کرتی۔ اگر اس کے ہاتھ میں ہتھیار ہوتے۔ ہر شہر میں پولیس اور فوج کے ساتھ جنگ کے نتیجے میں کشتوں کے پشتے لگ جاتے۔ یہ مقاومت مجہول۔ یہ خاموش مقابلہ۔ یہ عدم تعاون۔ یہ ستیا آگرہ یہ سول نافرمانی اگر "ہمارا پیدائشی حق ہے" تو راجہ داہر سے عرب مظلومین کی دادرسی کیلئے محمد بن قاسم کا حملہ "اسلام تلوار کے زور" سے پھیلائے جانے کا متوجب کیوں ہوا! ؎

اک دل پہ چوٹ ایک جگر پر لگائیے + حصہ لگائیے تو برابر لگائیے

پس محمد بن قاسم کی فاتحیت اسلام کی فتح تھی۔ دین رفتہ رفتہ پھیلتا ہی رہا۔ گو اس کے بعد صدیوں تک کسی مسلمان تاجدار کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی خواہش نہ ہوئی۔ آخر ملک گیری کی ہوس ہوتی تو کوئی ادھر بھاگتا۔ تاآنکہ برہمنوں نے راجپوتوں پر عرصہ زیست تنگ کردیا۔ راجپوتوں نے دربار غزنی میں اپنے کارندے بھیجے کہ کسی طرح غازی محمود (غزنوی) ہندوستان پر توجہ فرمائیں اور راجپوتوں کو برہمنوں کے ہر تنگ زمین دام سے نجات دلائیں۔ پے بہ پے قاصد غزنی جانا شروع ہوئے۔ ان کی زبانی ہندوستانی مسلمانوں کی مظلومیت کا اظہار بھی کرایا گیا۔ محمود نے ہندوستان پر حملہ کیا اور ہر حملے کے بعد ہندو راجپوتوں نے دوسرے حملے کے لئے معروضات بھیجے۔ یہی راجپوت محمود کی رہبری کرتے کرتے اسے سومنات ـــــ لے پہنچے۔ مقصد یہ تھا کہ برہمنوں کے عروج کا زینہ یہی مندر اور ان کے گپت خزانے ہیں۔ مندروں کی توہین سے برہمنوں کی ایشور بھگتی کا اثر ظاہر ہوجائے گا اور خزانے لٹ جانے سے ان کی قوت میں ضعف آجائیگا۔ اور یہی ہوا۔ آخر راون کے سیتاجی کو ہر لیجانے (اغوا کرلینے) کی بھی راجپوتوں کے دلوں میں خلش باقی تھی (اور ابھی تک باقی ہے) کیونکہ راون برہمن تھے اور سیتاجی ایک چھتری کی ستری تھیں۔ شری رام چندر جی مہاراج کی دھرم پتنی۔ پھر دیش بھر میں برہمنوں کا زور۔ تمدن ان کا۔ تہذیب کے یہ مالک۔ سوشل رواج و رسوم کے یہ مختار۔ تمام ہندو ان کا سیوک۔ اور یہ ایشور کے اوتار۔ چھتری کا خون کھول اٹھا۔ مگر مقابلہ کی طاقت سے

---

[۱] تاریخ الامۃ حصہ سوم ص ۸۱ ـــ ۸۲

محروم تھے۔ محمود غزنوی کا سہارا لیا۔ اور برہمنوں کا تیا پانچا کر ڈالا۔ محمود غزنوی کا پہلا حملہ ۳۹۲ھ ۱۰۰۱ء میں ہوا۔

جب محمود کی ان فتوحات اور ہندوستان کے مندروں کے ان گپت خزانوں کے چرچے وسط ایشیا میں زبان زد عام و خاص ہونے لگے تو ہاشما کے سامنے ہندوستان کا بھرم کھل گیا اور جب بھی کسی قوم کی یوں ہوا خیزی ہو جائے تو پھر ہر شخص کی جرأت بڑھ ہی جاتی ہے۔ آخر ۵۷۱ھ ۱۱۸۶ء میں علاء الدین خلجی حملہ آور ہوا۔ مگر خلجی حکومت کو استحکام ۵۹۷ھ میں حاصل ہوا۔ جب اُس نے گجرات پنجاب کو فتح کر لیا۔ تیمور ۸۰۱ھ میں آیا۔ بابر ۹۳۲ھ میں آیا۔ اور بابر ہی سے سلطنت مغلیہ کا آغاز ہوا۔

مگر اسلامی بادشاہت کا آغاز ہندوستان میں محمود غزنوی سے ہو چکا تھا۔ اور ہندو راجوں کی سطوت کا خاتمہ بھی محمود کے پہلے حملے سے ہو گیا تھا۔ الغرض ۳۹۲ھ (از محمود غزنوی) تا بہ آخری تاجدار مغلیہ یعنی بہادر شاہ ثانی (از ۱۲۵۳ھ تا ۱۲۷۵ھ) تک ہندوستان پر اسلامی پرچم لہرایا۔ کل مدت تقریباً ۸۶۳ سال، مگر سوال یہ ہے کہ یہ حکومتیں اسلامی تھیں یا سیاسی؟ آیئے ان دوروں پر ایک نظر ڈالیں۔

بیشک ان تمام مسلمان بادشاہوں کے زمانوں میں ہندوستان میں اسلام بڑھا۔ پھلا پھولا۔ اور پھیلا۔ مگر کسی خاص نظم و نسق کے ماتحت؟ تاریخ اس ثبوت کے اظہار میں ساکت ہے البتہ جب سے مغربی مورخین اور فرنگی قسم کے فلسفہ حل ملل و اقوام نے ہندوستان میں جگہ حاصل کی ہے۔ قوموں اور قبیلوں کے خصائص پھر وجوہ خصائص کے تجزیہ کے ساتھ ہندوستان میں اسلام کے عروج کا سبب مسلمان بادشاہوں کی مسلسل تبلیغ اور "اسلام بزور شمشیر" ثابت کرنے میں بڑی عرقریزی سے کام لیا جا رہا ہے۔ پھر ان فرنگی فلسفیوں کے ایسے نظریوں کو بھارت کے نوخیز محققوں نے جن کی تخم ریزی سوامی دیانند سرسوتی نے فرمائی تھی۔ ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ان کو نکھارا۔ ان میں رنگ بھرا۔ اور کتنا دلچسپ مرقع بنا دیا! کہ مسلمان غاصب تھے! مسلمان ڈاکو تھے! مسلمان لٹیرے تھے انھوں نے دیش کا کلچر بدل ڈالا! ہندو تہذیب کو مٹا دیا۔ پردہ کی رسم جاری کر دی۔ نیوگ بند کرا دیا! آٹھ کروڑ ہندوؤں کو شدھ کر کے اسلام میں داخل کر لیا! ـــــ اور "اسلام بزور تلوار پھیلا" تو گویا اوم کی تفسیر ہی ہے۔

لیکن ان آریہ مہا پرشوں کے ذہن نشین کیسے کیا جائے۔ کہ صاحب! اگر آج مسلمان بیگانۂ وطن ہیں تو کل تک آپ بھی تو ناآشنائے ہند ہی تھے۔ گناہ کی قسم تو ایک ہی ہے۔ کسی نے تو رکے تڑکے جام ارغوانی پی کر نامہ اعمال سیاہ کر لیا تو کسی مجبور و مقہور نے رات کی تاریکی میں اسے شراب نہیں پانی سمجھ کر پی لیا! دوسرے ملک پر تصرف اگر موجب تعزیر ہے تو پہلے خود کو حوالہ دار و رسن کیجئے۔ پھر مسلمانوں کے فرد عمل پر نگاہ ڈالئے۔ نہ یہ کہ ؎

خمے کہ ابروِ شوخ تو در کماں انداخت بقصدِ جانِ منِ زارِ ناتواں انداخت

آپ کے حملہ کی صورت میں یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آپ نے تو ہندوستان کے اصلی باشندوں کو ابدی غلامی میں ڈال دیا ایک ہندو مہاشہ شریمان دلیپ سنگھ جی بان پرستھی فرماتے ہیں:۔

"آج کل جو اقوام اچھوت کہلاتی ہیں وہ کسی زمانہ میں اس ملک میں آباد تھیں اور یہی اقوام اس ملک کی مالک تھیں۔ جب وسط ایشیا سے آریہ سیتھئین وغیرہ اقوام نے اس ملک پر حملہ کر کے اس کو فتح کر لیا۔ تو ان مفتوح اقوام کو اپنا حلقہ بگوش بنا لیا۔ ان کے تمام پولیٹکل حقوق سلب کر لئے گئے۔ یہانتک کہ زرعی اور

سکنی زمین میں بھی ان کے حقوق نہیں رہنے دیئے۔ جن لوگوں نے اس غلامی کو قبول نہیں کیا۔ وہ بھاگ کر پہاڑوں اور جنگلوں میں چلے گئے۔ جو لوگ پست ہمت بزدل اور کمزور تھے انھوں نے آزادی پر آرام کو ترجیح دی۔ اور جان بوجھکر مجبوراً غلامی کے طوق کو قبول کرلیا۔ جب پولیٹکل غلامی منظور ہوگی تو فاتح اقوام نے جو تہذیب یافتہ اور عالم تھیں۔ ان کو ساماجک (مجلسی) غلامی کے پھندے میں پھنسایا اور ان کا نام شودر۔ ویسیو ملیچھ وغیرہ رکھا اور خود مہذب کہلانے لگے۔ آہستہ آہستہ اس قسم کے قانون ایجاد ہوئے کہ آریہ لوگ شودروں کی عورتوں سے شادی کرسکتے ہیں۔ اور اس قانون کو توڑنے والے پر سخت سزائیں مقرر کی جائیں گی۔ یہانتک قانون بنائے گئے کہ شودروں کے پاس دھن دولت ہو تو زبردستی چھین لینا چاہئے۔ یہ لوگ ساتھ نہ بیٹھ سکیں۔ کھانا ہمراہ نہ کھاسکیں۔ یہانتک کہ ان کی آبادی بھی علیحدہ ہو۔ ان کے پانی بھرنے کی جگہ بھی علیحدہ ہو۔ یہ لوگ تعلیم حاصل نہ کرسکیں ــــــ"

(منقول از اخبار تیج[1] دہلی بابت ۸ راگست ۱۹۲۵ء صفحہ ۲)

مگر مسلمان فاتحین ہند نے ملک کے کسی باشندے کو ہندوستانی ہونے کے جرم میں تختۂ ظلم نہیں بنایا۔ چھوت کا تو کیا ذکر برابر کے حقوق دیئے۔ ہندوؤں کو سلطنت کا ندیم بنایا۔ دربار کا رکن اور پایہ تخت کی اعتمادی بخشی۔ بساط اکبری کے قبل۔ پاسبان۔ مہرے بھی ہنود تھے۔ نورتن اکبری میں راجہ ٹوڈرمل کا عنوان سرلوح نظر آتا ہے۔ شہنشاہ اکبر کے میمنہ میں راجہ مان سنگھ داد شجاعت دے رہے ہیں۔ اورنگ زیب عالمگیر کو متہم کرنے کا سودا ہے مگر اس غریب کی فردعمل میں جب سینکڑوں ہندو راجپوتوں کے نام ہر منصب (ہزاری) پر نظر آتے ہیں تو الزام عاید کرنے والوں کی جسارت پر رحم آتا ہے۔ چنانچہ اورنگ زیب کے ہندو گورنروں کی جو تعداد (بقیہ حوالہ جات) صاحب وقائع عالمگیری (چودھری نبی احمد صاحب سندیلوی) نے لکھی ہے۔ ان کی (ناتمام) تعداد ایکسو دس ہے۔ اور جوں جوں تحقیق بڑھے گی اس تعداد میں اضافہ یقینی ہے۔

اور رنگ زیب کے ہندو گورنروں میں سے ایک "مرزا راجہ جے سنگھ کچھواہہ (ساکن جے پور) ہیں جن کا منصب ہفت ہزاری اور ہفت ہزار ذات ہے۔ یہ مردنیکو" سیواجی کی مہم پر مامور ہوئے ۱۰ جلوس (۱۰۷۱ھ) قلعہ پورندھر اور کوکن کے دیگر مشہور قلعے فتح کئے۔ سیواجی نے صلح کیلئے درخواست کی جو منظور ہوئی . . . . راجہ مرزا علم سنسکرت میں مہارت رکھتے تھے ترکی فارسی عربی زبانوں سے واقف تھے۔" (وقائع عالمگیری ص ۴۸)

کنور رام سنگھ (پسر مرزا راجہ مذکور) منصب پنجہزاری ذات پنجم ہزاری سوار ۸ جلوس میں سنبھاجی پسر سیواجی مہراج کو لیکر دربار میں حاضر ہوئے اور اسی سال سیواجی مہراج کے استقبال کے لئے بھیجے گئے جو مرزا راجہ (کنور رام سنگھ کے والد ماجد) کے ذریعہ سے امان کے طالب ہوکر اطاعت کا حلف اٹھا چکے تھے۔" (وقائع عالمگیری ص ۴۹)

اور "راجہ کشن سنگھ پسر راجہ رام سنگھ (ممدوح) منصب ہزار و چہار صد سوار باپ کی زندگی ہی میں ملازمت شاہی میں داخل ہوئے اور صوبہ کابل میں تعینات ہوئے۔" (وقائع عالمگیری)

اور "راجہ بشن سنگھ پسر راجہ کشن سنگھ (ممدوح) منصب ہزاری و چہار صد سوار ۱۵ ربیع الثانی ۱۰۹۵ھ کو بجائے باپ کے

[1] اخبار تیج آریوں کا اخبار ہے اور دہلی سے نکلتا ہے (مضمون نگار)

خطاب راجگی سے موصوف ہوکر منصب ہزاری ذات و چہار صد سوار مرحمت ہوا اور اسی سال راٹھوروں کی تنبیہ پر مامور ہوئے اس کے بعد اسلام آباد (متھرا) کی فوجداری پر سرفراز ہوکر سنہ جلوس ۱۱۱۱ھ میں وفات پائی اور عالمگیر سے ان کے بیٹے بجے سنگھ کو راجہ جے سنگھ کا خطاب مرحمت ہوا جو راجہ جے سنگھ سوائی کے نام سے مشہور ہیں" (وقائع عالمگیری ص ۵۱)

اور " دھیراج راجہ جے سنگھ سوائی (مذکور) پسر راجہ بشن سنگھ (ممدوح الصدر) منصب دوہزاری ذات دوہزار سوار" (وقائع عالمگیری)

اور " راجہ بجے سنگھ برادر راجہ جے سنگھ ممدوح الصدر ...... (وقائع عالمگیری)

صرف ایک ہی خاندان میں (شجرہ ذیل کے مطابق) ۶ گورنر (بعہد عالمگیر) مقرر ہوئے۔ شجرہ ملاحظہ ہو:-

(۱) مرزا راجہ جے سنگھ
(۲) کنور رام سنگھ
(۳) راجہ کشن سنگھ
(۴) راجہ بشن سنگھ
(۵) راجہ جے سنگھ (۶) راجہ بجے سنگھ

اس پر بھی اورنگ زیب پر مندروں کے انہدام۔ ہندوؤں کے بجبر مسلم بنانے۔ روزانہ ایک من جنیو نذر آتش فرما کر دسترخوان پر تناول فرمانے کے فسانے عام کئے جا رہے ہیں۔ حالانکہ شاہان مغلیہ اور راجپوتان ہند کا باہمی اعتماد اس سے بھی کہیں زیادہ بڑھتا گیا کہ ہندو راجپوتوں نے بطیب خاطر اپنی راج کماریاں مغلیہ شاہزادوں کے حرم میں داخل کیں۔ ان مراسم اور اس پر غازی اورنگ زیب کے متعلق موجودہ ہندو نیتاؤں کے اہتمام کا خاکہ نظم ذیل میں کس قدر دلنشیں پیرایہ میں حوالہ قلم کیا گیا ہے۔

قرابت راجگانِ ہند سے اکبر نے جب چاہی — کہ یہ رشتہ عروسی کشور آرائی کا زیور تھا
تو خود فرماں دہِ جے پور نے نسبت کی خواہش کی — اگرچہ خود بھی راجہ صاحب دیہیم و لشکر تھا
ولی عہد حکومت اور خود شاہنشہِ اکبر — گئے انبیر تک جو تخت گاہ ملک و کشور تھا
ادھر راجہ کی نور دیدہ گھر میں حجلہ آرا تھی — ادھر شہزادہ پر چتر عروسی سایہ گستر تھا
دلھن کو گھر سے منزل گاہ تک اس شان سے لائے — کہ کوسوں تک زمیں پر فرشِ دیبائی مشجر تھا
دلھن کی پالکی تو دلپنے کاندھے پر جو لائے تھے — وہ شاہنشاہ اکبر اور جہانگیر ابن اکبر تھا
یہی ہیں وہ شمیم انگیزیاں عطرِ محبت کی — کہ جن سے بوستانِ ہند برسوں تک معطر تھا
تمہیں لے دے کے ساری داستاں میں یاد ہے اتنا
کہ عالمگیر ہندو کش تھا، ظالم تھا، ستمگر تھا

(شبلی نعمانی مرحوم)

آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ کہ حضرت محمد بن قاسم غزنوی خلجی غوری، بابر، اور اس کی کئی پشتوں تک جن تمام کی مدت بادشاہت ۸۸۳ سال تک ہے۔ ہندوستان میں مسلمان حکمراں برسر حکومت رہے۔ ان کے گھروں میں ہندو حرم نے حجلہ عروس کو زینت بخشی حکمران تمام امتیازات کے باوجود ہندوستان میں ہندو نیتاؤں کی اکثریت رہی۔ بیشک یہ حکومتیں اسلامی تھیں وہ خود ضرور مسلمان تھے

مسلمان رہے اور اسلام ہی پر ایک ایک کا خاتمہ ہوا (ارحم یا ارحم الراحمین)

مگر ان کی حکومت مذہبی نہ تھی۔ ثبوت میں یہی کیا کم ہے کہ شاہزادگان مغلیہ کے حرم میں ہندو راجہ کماریاں تمام عمر اپنے دھرم پر قائم رہیں اور اسی پر ان کا خاتمہ ہوا۔ دنیا میں بس ایک مثال ان حضرات کی رواداری کیلئے کافی ہے۔ ورنہ مغلوب قوم کی صنف نازک کا غالب قوم اور وہ بھی ترک بہادر جیسا کہ مغل بادشاہ تھے۔ کے حرم میں داخل ہونا اور اپنے مذہب قدیم پر جینا اور مرنا ان کی مذہبی حکومت نہ ہونے کیلئے کتنی بیّن دلیل ہے مگر افسوس کہ ملک کے موجودہ مسموم اثرات کی وجہ سے ان بدیہیات کو بھی قابل التفات نہیں سمجھا جاتا ؎

نکتہ چیں ہے غم دل اسکو سنائے نہ بنے ✤ کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

بلکہ معاملہ اور بھی نازک ہے کہ ان شاہانِ اسلام کی اس غیر مذہبی حکومت سے ہندوستان میں اسلام کمزور ہوتا گیا۔ اس کی بنیادیں کھوکھلی ہوتی گئیں۔ اسلام کا حصار شق ہونے لگا۔ اس کی عمیت میں شگاف در شگاف پڑنے لگے۔ مذہب کا یہ قلعہ متزلزل ہوتے ہوتے آخر :- وھی خاویۃٌ علیٰ عروشھا۔ : (اپنی ہی بنیادوں پر گر پڑا)

اشاعت اسلام کا نام نہیں۔ امارۃ شرعیہ کے وجود سے ملک تہی دست ہے۔ بیت المال اور مرکزیت اسلام عنقا ہیں۔ علماء اعلائے حق سے گریز کرتے ہیں۔ آخر ان سب کوتاہیوں کے صدقے مسلمانوں میں عام جبن۔ نامرادی بستی اور رسم پرستی جاری ہوگئی۔ ہندوستان میں قبور پر یہ سر بفلک قبے اسی مذہبی دور (!) کی یادگار ہیں۔ ایصال ثواب موتی بصورت وجوب اسی زمانہ کا شاہکار ہے۔ پیرانِ طریقت کی روحانی پادشاہت انہی شاہانِ اسلام کے عہد میں قائم ہوئی۔ جواب تک مسلمانانِ ہند کے گلو گیر ہے قرآن مجید سے صرف ایصال ثواب کا کام لینا مگر اس کی تعلیم سے نظام جماعت کو مربوط نہ کرنا انہی حکومتوں کا صدقہ ہے۔ آیات مبارک سے عملیات کا استفادہ کب جاری ہوا؟ حاضرات (برائے مجنوں) کب شروع ہوا؟ قلعہ معلی میں سورۃ یٰسین کا نام سورۃ ہیضہ اسی مذہبی حکومت کا تکملہ ہے اور یہ نام اس لئے رکھا گیا ہے کہ سورۃ یٰسین فرمان نبوی کے مطابق تلقین موتیٰ کیلئے مختص تھی۔ لہٰذا اس کے متعلق بدشگونی کے گمانِ بد کی وجہ سے اس کا نام ہی سورۃ ہیضہ رکھ دیا ہے (اس زمانہ میں کہیں وبائے ہیضہ چکی ہوگی جس میں موتی کو اس سورۂ مبارکہ سے تلقین کی جاتی ہوگی!)

پھر یہ شاہان اسلام (ہند) خود آپس میں آویزش جاری رکھتے۔ شیر شاہ سوری اور ہمایوں کی لڑائیاں مشہور ہیں۔ جن کی پاداش میں ہمایوں کو غرق دریا سے فیروز سقہ نے بچا۔ شکست خوردہ ہمایوں ایران بھاگ گیا۔ شاہ قاچار کی مدد کے سہارے پھر ہندوستان پر حملہ کیا اور خاندان مغلیہ کی کھوئی ہوئی عظمت (اسلام کی نہیں کیونکہ مسلمان تو سوری بھی تھا) دوبارہ حاصل کی۔ اور سطوت مغلیہ کا جھنڈا سرزمین ہند میں اس قوت سے پیوست کیا کہ صدیوں تک ہل نہ سکا۔ فلک پیر نے اس پرچم کو جھک کر بوسہ دینے میں اپنی سعادت سمجھی۔ کوہ ہندوکش سے لیکر راس کماری تک اس پرچم کا جلال سطح ارض کے چپہ چپہ پر چھا گیا۔ یہ سب کچھ ہوا۔ مگر ملک میں تبلیغ اسلام کیلئے کسی کو خیال نہ آیا۔ اسلئے کہ ان میں سے ایک حکمران بھی مذہبی حکومت کا دلدادہ نہ تھا۔ سب سے زیادہ ملزم عالمگیر اورنگ زیب کو بنایا جاتا ہے۔ اس متعصب مسلمان حکمراں کا بنارس کے ایک پروہیت کے حقوق مذہبی کی حفاظت کے متعلق یہ فرمان ناقابل اعتنا نہ ہوگا۔

مہر
اورنگ زیب شاہ غازی بہادر
ابن صاحبقراں ثانی

مہر
منشور لامع النور اورنگ زیب شاہ
غازی بہادر

لائق العنایہ والرحمۃ ابوالحسن بالتفاتِ شاہانہ امیدوار بودہ اند کہ چوں بمقتضائے مراحم ذاتی و مکارم جبلی ہمگی ہمت والانہمت و تمامی نیت حق طویت ما برفاہیت جمہور انام و انتظام احوال طبقات خواص و عوام مصروف است و از روے شرع شریف و ملت منیف مقرر چنیں است کہ دیر ہائے دیرین برانداختہ نشود و بتکدہا تازہ بنا نیابد۔ و دریں ایام معدلت انتظام بغرض اشرف اقدس ارفع و اعلیٰ رسید کہ بعض مردم از راہ عنف و تعدی بہ ہنود سکنۂ بنارس و برخے امکنۂ دیگر کہ بنواحی آں واقعست و جماعت برہمناں سدنہ آں محال کہ سدانت[1] بت خانہ ہائے قدیم آنجا بانہا متعلق دارد مزاحم و متعرض مے شوند و میخواہند کہ انہاں را از سدانت آں کہ از مدت مدید بایں ہا متعلق است باز دارند و ایں معنی باعث پریشانی و تفرقہ حال ایں گروہ مے گردد۔ لہٰذا حکم والا صادر مے شود کہ بعد از ورود ایں منشور لامع النور مقرر کنند کہ من بعد احدے بوجود بے حساب تعرض و تشویش باحوال برہمنان و دیگر ہنود متوطنہ آں محال نرسانند تا انہا بدستور ایام پیشین بجا و مقام خود بودہ بجمعیت خاطر بدعا بقائے دولت خداداد ابد مدت ازل و بنیاد قیام مایند دریں باب تاکید دارند۔

بتاریخ ۱۵ ؍ شہر جمادی الثانیہ سنہ ۱۰۶۹ھ نوشتہ شدہ (وقائع عالمگیری ص ۱۰۴)

ترجمہ شریعت غرا کے مقدس قانون کے مطابق گو نئے مندر نہیں بنائے جا سکتے مگر پرانے مندروں کو توڑا بھی نہیں جا سکتا۔ ہمارے گوش گذار یہ خبر ہوئی ہے کہ بعض عمال از رہ جبر و تعدی قصبۂ بنارس اور اس کے آس پاس کے دوسرے مقامات کے ہندوؤں اور برہمنوں پر جو قدیم بت خانوں کے پروہت ہیں تشدد کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ پروہتوں کو ان کی پروہتی سے الگ کر دیں۔ جس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ یہ بیچارے پریشان ہو کر مصیبت میں مبتلا ہو جائیں۔ اس لئے تم کو (ابوالحسن) حکم دیا جاتا ہے کہ اس فرمان کے پہنچتے ہی ایسا انتظام کرو کہ کوئی شخص تمہارے علاقے کے برہمنوں اور دوسرے ہندوؤں کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہ کرے اور ان کی تشویش کا باعث نہ ہو۔ تاکہ یہ جماعت بدستور سابق اپنی اپنی جگہ پر اور اپنے منصبوں پر قائم رہ کر اطمینانِ قلب کے ساتھ ہماری دولت خداداد کے حق میں مصروف دعا رہے اس بات میں تاکید جانو۔" (وقائع عالمگیری ص ۱۰۲)

سلسلہ کلام میں شاید ربط نہ رہا ہو۔ مقصود شہید ہند کے متعلق کچھ عرض کرنا تھا مگر تاثرات نے کہاں لا ڈالا ؎

جانا پڑا رقیب کے در پہ ہزار بار + اے کاش جانتا نہ تیری رہگذر کو میں

معلوم ہوا کہ مسلمان بادشاہان ہند نے کسی وقت بھی اس ملک میں "اسلامزم" کا پرچار نہیں کیا بلکہ صرف ذوق حکومت ان کا چسکا تھا۔ اگرچہ اس لحاظ سے بھی وہ کسی بد مذاقی کے مرتکب نہیں ہوئے۔ انہی اسباب و علل کی بنا پر ہندوستان میں کبھی کہیں اسلام کی تحریک علما و صوفیہ نے بھی نہیں کی اور وہ کرتے بھی کیسے خود بادشاہوں کے نزدیک یہ تحریکیں خار راہ تھیں۔

[1] بمعنی پروہتی ۱۲

اور انہی وجوہات سے ہندوستان میں حقیقی اسلام کو کوئی ترفع حاصل نہ ہوسکا۔ وہی جمود یہاں کے مسلمانوں میں تھا۔ جو وسط ایشیا کے اہل اسلام پر مسلط تھا۔ عقائد کی وہی کمزوری ہندوستان کے مسلمانوں میں جاری تھی۔ جس کی وجہ سے ابھی تک مسلمانانِ عالم میں "اسلامزم" کا شوق پیدا نہیں ہوسکا۔ ایک سرے سے تمام مسلمان بدعات کے خوگر تھے۔ گور پرستی اور تعزیہ بازی ان کی گھٹی میں پڑ چکی تھیں۔ فواحش و منکرات طبیعت ثانیہ بن چکی تھیں جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ تا آنکہ حجۃ اللہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے ظہور فرمایا۔ ان کی برکت سے میرزا مظہر جان جاناں رضی اللہ عنہ حق شناسا بن گئے۔ یہ مرد خدا بھی صرف کتاب وسنت کے شیدائی تھے۔ مگر اس دور میں جو بھی اس جنس گرانمایہ کا طالب بنا۔ آل محمدؐ کے نام نہاد نام لیواؤں مگر فی الحقیقت حسن بن صباح کے مریدوں اور دشمنانِ دین محمدؐ کی تیغ ستم کا شکار رہا۔ چنانچہ حضرت جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کو ایک شیعہ ہی نے شہید کر ڈالا۔ اسی طرح ان شیعہ حضرات کے ہاتھوں شاہ محمد رمضان صاحب علیہ الرحمۃ (ساکن قصبہ مہم ضلع رہتک) درجہ شہادت سے فائز ہوئے۔ ان کی کربلا شہر جھین (ریاست گوالیار) ہے۔ وہیں دفن ہوئے۔ یہ بزرگ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی (المتوفی ۱۲۳۹ھ) کے معاصر تھے۔ اور غالباً علم ظاہری میں اس خانوادۂ عالی کے فیض یافتہ۔

شیعہ حضرات میں بھی ایک صاحب شہید کے لقب سے ملقب کئے گئے۔ ان کا نام نامی قاضی نوراللہ صاحب شستری ہے ان بزرگوار کو شیعی گروہ "شہید ثالث" سے ملقب کرتا ہے مگر ان کی شہادت کا محور خلفائے ثلثہ کی تکفیر ہے۔ جس کی پاداش میں اس وقت کے قانون کے مطابق نورالدین جہانگیر نے قاضی صاحب کو کیفر کردار تک پہنچایا۔

میرے عرض کرنے کا مدعا یہ ہے کہ ہندوستان میں وقتاً فوقتاً اہل علم حضرات درجہ شہادت سے فائز ہوئے۔ مگر ان شہادتوں کو شہید ہند جناب سیدنا شاہ محمد اسمٰعیل شہید دہلوی (المتوفی ۴ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ) کے فوز کامرانی سے جو نسبت ہے وہ ظاہر ہے۔ مرزا مظہر جان جاناں اور شاہ محمد رمضان کسی نے بھی مسلمانوں کو بیعت عامہ کیلئے نہیں ابھارا۔ غازیوں کو دعوت جہاد کا فریضہ ادا کرنے کی دعوت نہیں دی۔ غزا کے لئے سفر نہیں کیا۔ میدان وغا میں نہیں اترے۔ کفار سے مقاتلہ کی نوبت نہیں آئی۔ اپنے ہاتھوں سے کسی کافر کو واصل جہنم نہیں کیا۔ خود مقابلہ میں تیغ دودم کو اپنے خون سے سیراب نہیں کیا۔ مگر سیدنا محمد اسمٰعیل شہید رح نے ان مدارج میں سے ہر ایک کو طے کیا۔ انھوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کو گور پرستی سے بچانے کیلئے شبانہ روز وعظیں کیں۔ بدعات کے خلاف ہر وقت آپ کی کوششیں جاری تھیں۔ تعزیوں کو سرنگوں کرنے کے لئے وہ سربکف تھے حتیٰ کہ ان غیر اسلامی عناصر کو اسلام کے وجود سے محو کرنے کیلئے آپ نے اپنی جان بھی نثار کردی۔

افسوس ہے کہ مضمون سابق (مندرجہ رسالہ محدث بابت ماہ مئی ۱۹۳۹ء) اور اس مضمون کے بعض مفہومات میں تکرار یا توارد ہوگیا ہے جسکی وجہ راقم مضمون کا عدم سلیقہ تحریر ہے۔ کچھ اپنی املاکی بدخطی۔ جسکی مسخ ہیئت کی وجہ سے میں مسودہ کا کوئی حصہ اپنے پاس رکھنے کے لئے مرتب نہیں کرسکتا بنفسہ یہ مضمون جن نازک حالات میں لکھا گیا ہے۔ اس کا اندازہ میرے سوا مدیر اعلیٰ جناب فاضل استاد مولوی نذیر احمد صاحب:۔ سلام علی نجد ومن حل بالنجد ۔ : کو بھی ہے۔ .